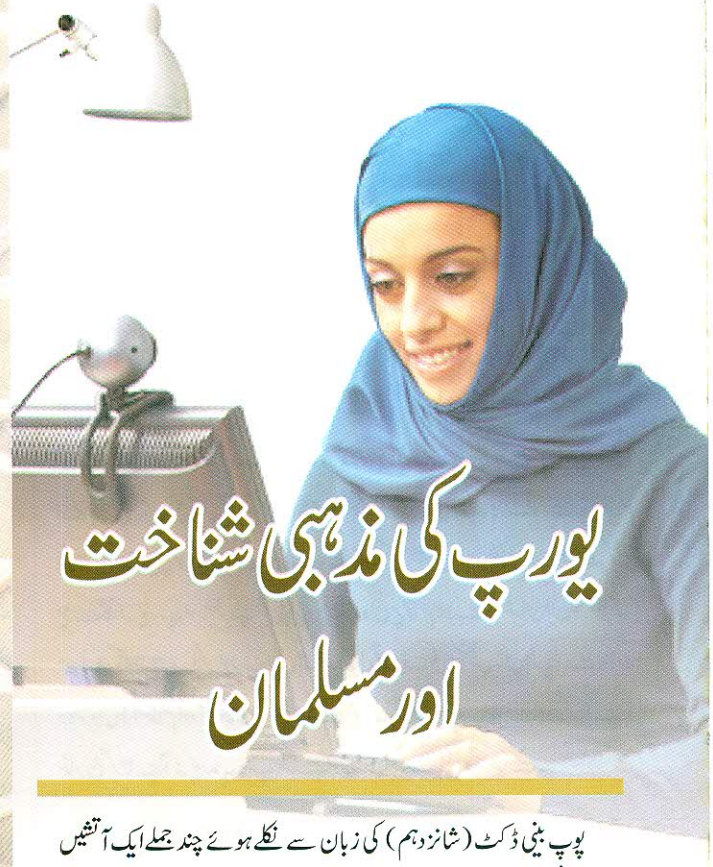

یورپ کی مذہبی شناخت اور مسلمان

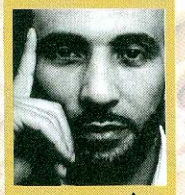

پروفیسر طارق رمضان

پوپ بینی ڈکٹ شانزدھم نے ریگنزبرگ یونیورسٹی جرمنی میں ۱۲/ ستمبر ۲۰۰۶ء کو اپنے خطبے میں پروفیسر خوری کے حوالے سے بازنطینی شہنشاہ مانویل دوم کا قول نقل کیا جس میں رسول اکرمؐ کے پیام رسالت کو گمراہ کن اور نازیبا الفاظ میں بیان کیا گیا تھا۔ اس بیان پر سارا عالم اسلام مجسم احتجاج بن گیا۔ یوں تو اس صدی میں مسلسل اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں ایسے بیانات شائع ہوتے رہتے ہیں لیکن چونکہ یہ بیان یورپ کی مذہبی شناخت کے حوالے سے دیا گیا تھا اور پوپ کا استدلال تھا کہ یورپ کی اصل شناخت روشن خیالی نہیں عیسائیت ہے اس لیے یورپی مسلمانوں نے اس بیان کو اسلام اور عالم اسلام کے لیے نہایت گمراہ کن قرار دیا۔ پروفیسر طارق رمضان نے ۲۱/ ستمبر ۲۰۰۶ء کو شائع ہونے والے اس بیان میں پوپ کے استدلال پر محاکمہ پیش کیا ہے۔ مدیر

پوپ بنی ڈکٹ (شانزدہم) کی زبان سے نکلے ہوئے چند جملے ایک آتشیں طوفان اور غم وغصے کے شدید اظہار کے لیے کافی تھے۔ ساری مسلم دنیا میں سربراہان حکومت کے ساتھ ساتھ مذہبی رہنماؤں، سیاستدانوں اور دانشوروں نے اپنے مذہب کی توہین پر عوام کے ساتھ مل کر صدائے احتجاج بلند کی۔ بہت سوں نے پوپ کی تقریر نہیں پڑھی تھی اور اکثر نے تقریر کے اس خلاصے پر انحصار کیا، جس میں بتایا گیا تھا کہ پوپ نے اسلام کا تشدد سے تعلق جوڑا ہے۔ لیکن سبھی کے نزدیک یہ ''ناقابل برداشت جرم'' تھا جس میں کہیں دورائے نہیں تھیں۔

ان علماء اور دانشوروں کی رائے جو بھی ہو، دو وجوہات کی بناء پر توقع تھی کہ وہ اپنے ردعمل میں زیادہ معقول رویہ اختیار کریں گے۔ ایک تو اس سے قطع نظر کہ یہ رسول اللہؐ سے مسلمانوں کی غیر معمولی سچی عقیدت کا اظہار تھا ہم سب جانتے ہیں کہ بعض گروہ اور حکومتیں اس طرح کے بحرانوں کو اپنے سیاسی مفادات کے لیے استعمال کرتی ہیں اور مشتعل عوام کو موقع دیتی ہیں کہ وہ ان مواقع پر اپنے دل کا غبار نکال سکیں۔ جہاں عوام کو بنیادی حقوق سے ہی محروم رکھا جائے اور انہیں تحریر اور اظہار کی آزادی نہ ہو وہاں انہیں اگر پوپ کے الفاظ یا ڈینش خاکوں کے خلاف غم وغصہ کے اظہار کی اجازت دے دی جائے تو ان حکومتوں کا کیا جاتا ہے۔

دوسرے ہمارا یہ مشاہدہ ہے کہ عوامی احتجاج عموماً انتہائی جذباتی شکل اختیار کر لینے سے اس بات کا قطعی ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ مسلمان معقول طریقے سے کسی بحث میں اپنے موقف کی ترجمانی کرنے کے اہل نہیں ہیں اور شدت وانتہا پسندی ان میں استثناء سے بڑھ کر اصول کی حیثیت رکھتی ہے۔ انہی وجوہات کے پیش نظر مسلم دانشوروں پر یہ بنیادی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس غیر مفید اور بے معنی کھیل میں حصہ لے کر اس کا اعتبار قائم کرنے میں مدد کریں۔

بعض مسلم دانشوروں نے اس بنا پر کہ پوپ نے مسلمانوں کی توہین کی ہے پوپ سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ ذاتی طور پر معافی مانگے۔ پوپ بنی ڈکٹ نے معذرت بھی کر لی لیکن تنازعہ ابھی تک ختم نہیں ہوا۔ پوپ کے خطبے میں چودھویں صدی کے بازنطینی شہنشاہ مانویل دوم پالا یولوگس سے منسوب ایک مبہم حوالے کا ذکر جس میں پیغمبر اسلامؐ کے (نعوذ باللہ) قابل اعتراض افعال پر تنقید کی گئی تھی، ہر لحاظ سے دہلا دینے والی بات ہے۔

سچی بات تو یہ ہے پوپ نے اسلام کا رشتہ جنگ اور شدت پسندی سے جوڑنے کے لیے جو مثالیں چنی ہیں وہ خود محل نظر ہیں اور بہت سے سوالوں کو جنم دیتی ہیں۔ اتنی ہی تعجب خیز یہ بات بھی ہے کہ پوپ نے ظاہری مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے امام ابن حزم کا نام لے کر اسلام اور عقلیت کا سوال اٹھایا ہے۔ ابن حزم کا مکتب فکر اقلیت سے ضرور تعلق رکھتا ہے لیکن خود ان کے علمی مقام سے کسی کو انکار نہیں۔ شاید پوپ کا پورا استدلال حذف وابہام، سطحیت اور ایک حد تک فرسودگی سے عبارت ہے۔ لیکن کیا اسے ایسی توہین قرار دیا جا سکتا ہے جس پر معافی کا مطالبہ کیا جائے؟ دوسرے معنوں میں کیا مسلمانوں کی دلآزاری صرف اس ایک حوالے سے ہوئی ہے اور محض اس لیے کہ پوپ نے اپنے خطبے میں اس حوالے کا ذکر کیا ہے؟ کیا ہم آئے دن کیے گیے ان

سوالوں کی بوچھاڑ سے صرف نظر کرلیں جو پانچ سالوں سے ''جہاد'' کے مطالب اور قوت کے استعمال کے بارے میں مسلمانوں سے پوچھے جارہے ہیں۔

بنی ڈکٹ اپنے عہد کی پیداوار ہیں انہوں نے اس دور کا اہم سوال مسلمانوں سے پوچھا ہے، جس کا مکمل دلائل اور وضاحت کے ساتھ جواب دیا جانا چاہیے۔ سب سے پہلے تو ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ ''جہاد'' کا مطلب ''مقدس'' (دینی) جنگ ہے۔ ہمیں وضاحت کے ساتھ بیان کرنا چاہئے کہ دفاع اور جائز مزاحمت اسلام کا اصول ہے اور نزاع واختلاف کے دوران اسلام کی اخلاقی تعلیمات کی بنیاد ہے۔ ہمیں اس الزام کے جواب میں کہ ہمارا دین تشدد پسند ہے لوگوں کو اس طرح احتجاج پر نہیں اکسانا چاہیے کہ وہ تشدد کا راستہ اختیار کریں۔

اس بحران کا سب سے تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ اصل بحث جس کا پوپ نے آغاز کیا اکثر اور خصوصاً مسلم مبصرین کی نظروں سے اوجھل رہی۔

پوپ بنی ڈکٹ نے ریگنز برگ یونیورسٹی میں اپنے علمی خطبے کے دوران دوہرا مفروضہ قائم کیا۔ ایک طرف انہوں نے ان لامذہب عقلیت پسندوں کو للکارا جو روشن خیالی سے عیسائیت کے ہر حوالے کو خارج کرنا چاہتے ہیں۔ پوپ نے انہیں یاد دلایا کہ عیسائیت کا حوالہ یورپ کی شناخت کا جزو لاینفک ہے۔ اپنی شناخت کی عیسائی اساس سے انکار کر کے بین المذاہب مکالمے کا قیام ناممکن ہے۔ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ خود عیسائیت پر ایمان رکھتے ہیں یا نہیں۔ پھر پوپ نے مذہب اور عقل کا سوال اٹھایا اور اس بات پر زور دیا کہ یونانی عقلیت کی روایت اور عیسائی مذہب کے مابین ایک خصوصی رشتہ ہے۔ اس طرح پوپ نے یورپ کی شناخت کی یوں تعریف کرنا چاہی کہ مذہبی طور پر یورپ عیسائی ہے اور عقل کے لحاظ سے یونانی۔ اور تاثر دیا کہ بظاہر چونکہ اسلام کا عقل سے ایسا تعلق نہیں ہے، اس لیے وہ یورپی شناخت کے لیے جو اس بلند وبالا ورثے پر تعمیر ہوئی ہے بالکل اجنبی ہے۔

چند سال پہلے جب پوپ کارڈینل جوزف راٹ زنگر تھے، انہوں نے ترکی کے یورپ میں شامل کرنے پر انہی بنیادوں پر مخالفت کی تھی کہ مسلم ترکی کبھی بھی اس قابل نہیں ہوا کہ وہ یورپی ثقافت کا دعویٰ کر سکے، یہ بالکل مختلف اور الگ ہے۔

یہ پیغامات ایسے جواب کا تقاضا کرتے ہیں جو صرف ''جہاد'' کی وضاحتوں تک محدود نہ ہو۔ پوپ بہت ہی ذہین ماہر الٰہیات ہیں۔ جو ایسے اصولوں کی تلاش میں ہیں جن کی روشنی میں ماضی، حال اور مستقبل میں یورپ کی شناخت پر گفتگو ہو سکے۔ یہ پوپ جو مکمل طور پر یورپی ہیں، براعظم یورپ کے لوگوں کو دعوت دے رہے ہیں کہ وہ اپنی شناخت کے مرکزی اور ناگزیر عیسائی تشخص سے آگاہی حاصل کریں اور اسے نظر انداز کرنے کا خطرہ مول نہ لیں۔ آج کے بحران کے دور میں یہ پیغام انتہائی جائز بھی معلوم ہوتا ہے مگر اپنی دہری محدودیت (reductionism) کے اعتبار سے یہ اندر ہی اندر تکلیف دہ اور خطرناک بھی ہے کیونکہ ایک جانب یہ تاریخی طور پر تنگ نظری پر مبنی ہے اور دوسری جانب یورپ کی شناخت کو محدود کر دیتا ہے۔ یہ وہ نکتہ ہے جس کی طرف سب سے پہلے مسلمانوں کو توجہ مبذول کرنا چاہئے۔ انہیں یورپی فکر کی تاریخ کے اس مطالعے کو چیلنج کرنا چاہیے، جس میں مسلم عقلیت کی تحریک کے کردار کو قلم زد کیا جارہا ہے۔ اس نقطہ نظر سے عرب مسلم ثقافتی کارنامے کو صرف چند یونانی اور رومی کتابوں کے عربی تراجم تک محدود کر دیا جائے گا۔ ایسا من پسند حافظہ جو بڑی آسانی سے مشہور اسلامی عقلیت پسند حکماء جیسے الفارابی (۱۰ویں صدی)، بوعلی سینا (۱۱ویں صدی)، الفارابی (۱۲ویں صدی)، الشاطبی (۱۳ویں صدی) اور ابن خلدون (۱۴ویں صدی) کے اس عظیم ورثے کو ''بھول'' جاتا ہے اور یورپ کے ایسے تصور کو جنم دے رہا ہے جو خود فریبی پر مبنی ہے۔ یہی نہیں، وہ اپنے ماضی کے بارے میں بھی مکمل خود فریبی کا شکار ہوگا۔ اگر مسلمان اپنے ورثے سے رشتہ قائم رکھنا چاہتے ہیں تو انہیں جذبات سے بالاتر ہو کر معقول طریقے سے یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ یورپ اور مغرب جن بنیادی قدروں پر قائم ہوئے، مسلمان ان کو مشترکہ میراث سمجھتے ہیں۔ اگر یورپ اپنی شناخت کی تعریف کی کوشش میں اپنے سے علاوہ دوسروں (اسلام اور مسلمان) کو جن سے یورپ خوف زدہ ہے، سے دور کرتا ہے یا خارج کرتا ہے تو نہ یورپ پنپ سکتا ہے اور نہ ہی مغرب باقی رہ سکتا ہے۔

یورپ کو شاید آج کل دوسری تہذیبوں سے زیادہ اپنے آپ سے مکالمے کی ضرورت ہے۔ اپنی ہی ذات کے چند ایسے گوشوں سے مکالمے کی ضرورت جن کو عرصے تک اس نے تسلیم نہیں کیا، جو آج بھی یورپ کو اس تشخص کے ان عناصر کی مذہبی اور فلسفیانہ روایت کی دولت سے استفادے سے روکے ہوئے ہے۔ یورپ کو اپنے مستقبل کی ناگزیر تعددیت کو کلی طور پر اپنانے کے لیے اپنے ماضی کے تنوع سے سمجھوتا کرنا سیکھنا ہوگا۔ پوپ کی محدودیت پسندی سے تعددیت کو اپنانے کے عمل کو نقصان ہی ہوا ہے۔ ایک ناقدانہ نظر، پوپ سے معذرت خواہ ہونے کی امید لگانے کی بجائے، اسے سیدھی سادی زبان میں دلیل کے ساتھ یہ کہے گی کہ پوپ تاریخی، سائنسی اور روحانی ہر لحاظ سے غلط کہہ رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ لہر آج کے مسلمانوں کو ماضی کے یورپی مسلم مفکرین کی عظیم تخلیقات سے ہم آہنگی کا موقع بھی فراہم کرے گی، جو دس سال پہلے اپنی یورپی شناخت قبول کر چکے تھے اور جنہوں نے اپنی ناقدانہ سوچ سے یورپ اور مغرب دونوں کو مالا مال کر دیا تھا۔ وہ آج کی ان بے معنی اور فضول بحثوں سے بھی جان چھڑا سکیں گے جو مسلمانوں کی یورپی ثقافت میں ادغام کے مسئلے میں الجھ الجھ جاتی ہیں۔

○ پروفیسر طارق رمضان ایک معروف مسلم دانشور ہیں۔ آپ تحریک اخوان المسلمون کے بانی شیخ حسن البنا کے پوتے ہیں۔ جینوا کالج اور فرائی برگ یونیورسٹی (سوئٹزرلینڈ) میں فلسفہ اور علوم اسلامیہ کے پروفیسر ہیں۔ بہت عرصے سے فرانس میں مقیم ہیں اور یورپی مسلمانوں کے حالات ومسائل پر متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ اس سال ہالینڈ میں واٹرڈم یونیورسٹی کی خصوصی دعوت پر علوم اسلامیہ کی تدریس سرانجام دے رہے ہیں۔

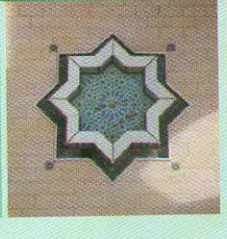

اسلامی نظریاتی کونسل

علماء مسلم مجلس قانون
ساز کے طاقت ور حصے کی
حیثیت سے قانون سے متعلقہ
سوالات پر آزادانہ بحث
میں مددگار اور راہنما ہو
سکتے ہیں۔
غلطیوں سے پاک تعبیرات کے
امکان کی واحد صورت یہ ہے
کہ موجودہ تعلیم فقہ کے
نظام کو بہتر بنایا جائے،
اس میں وسعت پیدا کی
جائے اور اسے جدید فلسفہ قانون
کے گہرے مطالعے سے وابستہ
رکھا جائے۔